اقبال اور فلسفہ وجودیت

صدف نقوی

ABSTRACT:

"Infact, the philosophy of existentialism is the philosophy of human life. Iqbal's thought and ideology is based on Quran. In Iqbal's lectures and poetry we find prominent existentialism thoughts in topics of being, freedom, intellect and self. The existentialism philosophy inclines towards human integrity. Iqbal also likes human integrity. Infact his philosophy of ego is a kind of existentialism. According to him the integrity in character is the spirit of human existence. Iqbal's message irrespective of fear, hopelessness and depravedness based on courage and effort."

گزشتہ دو تین صدیوں میں ہونے والی سائنسی اور صنعتی ترقی نے انسان کی اشرف المخلوقات ہونے والی حیثیت کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ انسان تنہائی کا شکار ہو گیا اور اس تنہائی نے اُس کے اندر احساسِ محرومی پیدا کر دیا جس نے اُس کے کرب کے احساس کو دو چند کر دیا۔ ان حالات میں جب انسان کا قدروں پر سے اعتبار اُٹھنے والا تھا۔ وجودیت کی تحریک نے جنم لیا۔ وجودیت دراصل باطن کی کش مکش پر مبنی تحریک تھی جس کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''وجودیت کی اساس اس امر پر استوار ہے کہ انسان اس دنیا میں آزاد اور منفرد پیدا ہوا لیکن معاشرے میں رہنے کی بنا پر وہ اپنے لیے ایک خاص نوع کا طرزِ عمل منتخب کرنے پر مجبور ہے۔ بحیثیت ایک فرد یہ انتخاب اُس کا حق ہے جب کہ معاشرے کا ایک رکن ہونے کی بنا پر یہی انتخاب ایک مجبوری بن جاتا ہے اور اُس کے کرب کا وہ احساس جنم لیتا ہے جو جدید انسان کا سب سے بڑا المیہ ہے۔''(۱)

اس تحریک کے اثرات مغربی سیاست، نفسیات، مذہب اور ادب پر نمایاں ہوئے۔ مشہور فلسفی کرکیگارڈ نے انسانی شعور کا تجزیہ کر کے انسان کو اپنی ذات پر یقین رکھنے کی طرف آمادہ کیا اور وجود کو جوہر پر فوقیت دی۔ اُس کے

نزدیک آدمی اس کے سوا کچھ نہیں جو وہ خود کو بناتا ہے۔ وجودی فلسفے میں جنھوں نے کرکیگارڈ کی تقلید کی۔ اُن میں جبریل مارسل اور رچرڈ کرونز وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سب مذہب کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ جب کہ وجودی فلسفے کا دوسرا گروہ جو کہ ژاں پال سارتر کو اپنا امام سمجھتا ہے۔ اُن کے نزدیک ادب زندگی کا آئینہ نہیں بلکہ یہ انسان کے وجود کو ثابت کرنے کا ذریعہ ہے۔ ژاں پال سارتر اس حوالے سے لکھتا ہے:

> ''انسان کچھ نہیں سوا اس کے جو کچھ وہ اپنے آپ کو بناتا ہے۔ یہ وجودیت کا پہلا اصول ہے۔ اسی کو لوگ اُس کی 'داخلیت' کہہ کر اُس پر طنز کرتے ہیں لیکن ہمارا اس سے بجز اس کے اور کیا مطلب ہے کہ انسان کا پہلے فرق وجود ہوتا ہے۔ باقی سب سے مقدم اس کا ہونا ہے جو اسے ایک مستقبل کی جانب دھکیلتا ہے اور اسے اپنے اس عمل کا پورا شعور ہوتا ہے۔''(۲)

اپنے اس مضمون کے آخر میں سارتر رقم طراز ہے:

> ''نہ صرف ہمارا ایمان یہ ہے کہ خدا کا کوئی وجود نہیں بلکہ ہمارے نزدیک اصل مسئلہ اس کے وجود کا نہیں۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ انسان خود کو دوبارہ دریافت کر لے اور یہ پالے کہ اسے اپنی ذات سے کوئی شے نہیں بچا سکتی۔ حتیٰ کہ خدا کے وجود کا ٹھوس ثبوت بھی۔ ان معنوں میں وجودیت ایک رجائی نظریہ ہے۔''(۳)

جب کہ اس کے برعکس کرکیگارڈ خدا پر یقین کا قایل ہے۔ ڈاکٹر اشرف کمال کرکیگارڈ کے وجودی فلسفے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حقیقت صرف موضوعی ہے اور موضوعی حقیقت جذباتی ہے۔ عقلی نہیں، خدا ایک حقیقت ہے لیکن یہ معروضی نہیں ہے۔ اور وہ اپنے وجود کے لیے انسان کا محتاج ہے کیوں کہ انسانی وجود کے بغیر خدا کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔''(۴)

وجودی تحریک مغرب میں مذہب سے دوری اور مشینی زندگی کے اثرات کی وجہ سے وجود میں آئی۔ نتیجے کے طور پر مایوسی اور قنوطیت کے اثرات پیدا ہوئے۔ مذہب سے دوری کے اثرات زیادہ تر سارتر کے نظریات کے حامیوں کے ہاں پیدا ہوئے۔ اس حوالے سے ریاض احمد لکھتے ہیں:

> ''وجودیت کا نکتہ خاص اُس کی داخلیت ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا جہان ایسی اقدار کی مدد سے تخلیق کیا جائے جو جہان مرغ و ماہی اور جہان شجر و حجر سے علیحدہ ایک حقیقت رکھتا ہو۔''(۵)

وجودیت کا فلسفہ انسانی زندگی کا فلسفہ ہے۔ وجودیت دراصل نوع انسانی کا مطالعہ ہی ہے۔ وجودیت کے اثرات ہر شعبہ ہائے زندگی میں نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہاں مختلف صوفیا کرام اور اقبال کے افکار میں بھی اس قسم کے نظریات کی جھلک نظر آتی ہے۔ اقبال کے نظریات کا سرچشمہ قرآن ہے۔ اُن کے کلام اور خطبات میں ہمیں فرد، آزادی، عقل اور ذات جیسے موضوعات پر وجودی افکار کی مشابہت نظر آتی ہے۔ تاہم کہیں کہیں وجودی افکار سے

اختلاف بھی نظر آتا ہے۔ دراصل اقبال انسانی خودی کے قایل ہیں اور اُن کے لیے خودی کے استحکام کی ہر شے قابلِ قبول ہے۔ اُنھوں نے اپنی محققانہ نظر سے جو پسند کیا لے لیا اور جو حقیقت سے دور نظر آیا اُس کی تردید کر دی۔

اقبال نے فرد کی خودی کو مجروح ہوتے دیکھا۔ تو کہا:

ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اُس کا طلسم سب خیالی (۶)

دراصل وجودیت کے بھی دو واضح مکاتب فکر ہیں۔ الٰہیاتی اور ملحدانہ۔ الٰہیاتی مکتب فکر کا بانی کرکیگارڈ ہے۔ کرکیگارڈ اور اقبال کو ہیگل کے فلسفے میں انسانی تشخص اور آزادی کے کھو جانے کا احساس ہوا۔ تو انہوں نے اُس کا انکار کر دیا۔ کرکیگارڈ کے نزدیک خدا کو تسلیم کیے بغیر انسان اور خدا میں تعلق قائم نہیں رہ سکتا۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ انسان اگر چاہے تو اپنے فکر و عمل سے معجزنما بن سکتا ہے۔

"Reconstruction of Religious Thought" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> "The Quran is a book which emphasizes 'deed' rather than 'idea'."(7)

ترجمہ: (قرآن پاک وہ کتاب ہے جو فکر کی بجائے عمل پر اصرار کرتی ہے۔)

اقبال کے نزدیک انسان اپنے عمل سے اپنے لیے تمام امکانات کو پیدا کرتا ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری (۸)

اقبال خود بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ذات کا حتمی مقصد کچھ بننا ہے۔ وہ مومن کو صرف قاری نہیں بلکہ مجسم قرآن خیال کرتے ہیں:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن (۹)

وجودیت کے حامی مفکرین دراصل انسانی زندگی کی انفرایت کے قایل ہیں۔ اقبال بھی اپنے خطبات میں انسان کی انفرادیت پر زور دیتے ہیں اور اس کے لیے قرآن حکیم سے استدلال کرتے ہیں۔ اپنے چوتھے خطبے "The Human Ego-His Freedom and Immortality" میں لکھتے ہیں:

> "The Quran is its simple, forceful manner emphasizes the individuality and uniqueness of man, and has, I think, a definite view of his destiny as a unity of life. It is in consequence of this view of man as a unique individuality which makes it impossible for one individual to bear the burden of another and entitles him

only to what is due to his own personal effort, that the Quran is led to reject the idea of redemption."(10)

ترجمہ: (قرآن مجید نے ایک تو انسان کی انفرادیت اور یکتائی پر بڑے ہی سادہ اور مؤثر انداز میں زور دیا اور پھر جیسا کہ میں سمجھتا ہوں وہ اس لحاظ سے کہ زندگی ایک وحدت ہے۔ اس کی تقدیر کا ایک خاص نظریہ قائم کرتا ہے لہٰذا بہ حیثیت ایک یکتا انفرادیت، انسان کے بارے میں اس کا یہی نظریہ ہے جس کی بنا پر نہ تو کوئی دوسرے کا بوجھ اٹھا سکتا ہے نہ یہ ممکن ہے کہ اسے اپنی کوشش سے سوا کچھ ملے اور جس کے پیش نظر قرآن پاک نے کفارے کا تصور رد کر دیا۔)(۱۱)

اقبال نے اس خطبے میں قرآنی نقطہ نگاہ سے اس بات کو واضح کیا ہے کہ نہ تو انسان ایک دوسرے کا بوجھ اُٹھا سکتا ہے اور انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔ اقبال کا فلسفہ خودی بھی دراصل اپنی انفرادیت ہی کی ایک شکل ہے۔ جب انسان خودی کے بل بوتے پر عمیق اور پختہ شخصیت حاصل کر لیتا ہے تو وہ روحانی طور پر ثبات واستحکام حاصل کر لیتا ہے۔ اقبال جانتے ہیں کہ قرآن سے تین چیزیں بالکل واضح ہیں:

۱۔ انسان خدا کا منتخب کیا ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيۡهِ وَ هَدٰی''(۱۲)

(پھر اُس کو اُس کے رب نے اختیار دیا۔ پس اُس کی طرف رجوع کیا اور ہدایت کی۔)

۲۔ انسان کو خلیفہ الارض بنایا جانا انسان کی فرشتوں پر برتری کو ثابت کرتا ہے۔

''وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ''(۱۳)

ترجمہ: (جب کہا تمہارے رب نے فرشتوں سے کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو انھوں نے کہا کہ آپ زمین پر اسے خلیفہ بنائیں گے جو فساد کرنے والا ہے اور خون بہانے والا ہے اور ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی تقدیس بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں وہ تمہارے علم میں نہیں ہے۔)

۳۔ انسان ایک آزاد شخصیت کا امین ہے جس کو اُس نے اپنی ذمہ داری سے قبول کیا ہے:

''اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَ حَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا''(۱۴)

ترجمہ: (بے شک ہم نے امانت کا یہ بوجھ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے رکھا۔ تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھا لیا بے شک وہ

بڑا ظالم اور جاہل ہے۔)

اقبال کا پیغام دراصل اُمید، حوصلے اور اعتماد کا پیغام ہے۔ جب کہ وجودیت کے حامی احساسِ محرومی کا شکار ہے۔ جب کہ اس کے برعکس پروفیسر سمیع اللہ قریشی کے مطابق:

''اقبال فلسفہ اجتماع پر یقین رکھتے ہیں۔ اقبال حسن عمل اور کردار کو فرد کا جوہر قرار دیتے ہیں، مگر یہ فرد پھر اجتماع کا نمائندہ ہے اور یہ بات سارتر کی وجودیت کے برعکس ہے۔ اقبال کا انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ رہتے ہوئے اور اپنی ذمہ داریوں پوری کرتے ہوئے اپنے باطن کی گہرائیوں میں اُترتا ہے جب کہ سارتر کا انسان دوسرے انسانوں سے کٹ کر اپنے اندر کے خلا میں گم ہو جاتا ہے۔''(۱۵)

اقبال کے نزدیک انسان کے اندر جوہر تخلیق دراصل اُس کی انفرادیت کی عکاسی ہے۔ تخلیق کے عمل سے ہی انسان کے اندر ذات خداوندی کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ذوقِ طلب اور شوقِ تخلیق ہی انسان کو سعی و عمل پر گامزن کرتے ہیں۔ سارتر کی وجودیت کے برعکس انسان کی یہ قوت اُس کے اندر ایسی قوت پیدا کر دیتی ہے۔ جو اُسے آفاق پر غالب کر دیتی ہے۔ یہی شوقِ تخلیق اُس کی بقا کی ضامن ہے۔

انسانی خودی بتدریج ارتقائی منازل طے کرتی ہے۔ مسلسل حرکت اور عمل پیہم سے خود مستحکم ہوتی ہے جتنی زیادہ کس کی خودی مستحکم ہوگی اُتنے اُس کے خیالات بلند ہوں گے۔ دراصل خودی کا نشیمن انسان کے دل کے اندر ہے:

خودی کیا ہے راز درونِ حیات — خودی کیا ہے بیداریِ کائنات
ازل اس کے پیچھے ابد سامنے — نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے
زمانے کے دھارے میں بہتی ہوئی — ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
ازل سے یہ کش مکش میں اسیر — ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر
خودی کا نشیمن تیرے دل میں ہے — فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے(۱۶)

اقبال دراصل اُس فلسفہ وجودیت کے حامی ہیں جو انسان کو نہ صرف اس عالم زمان و مکان کی تسخیر پر اکساتا ہے۔ بلکہ اُس کی تگ و تاز جاودانہ کے لیے نئے میدان موجود ہوتے ہیں۔ اقبال انسانی خودی کی انہی خصوصیات کے حوالے سے چوتھے خطبے میں رقم طراز ہیں:

"The ego reveals itself as a unity of what we call mental states.... Another important characteristics of the unity of the ego is its essential privacy which reveals the uniqueness of every ego."(17)

''سب سے پہلی تو یہ کہ خودی کا اظہار اُس وحدت میں ہوتا ہے جسے ہم کیفیات نفسی کی وحدت سے تعبیر کرتے ہیں۔۔۔ ایک وحدت، اس کے خفایا خلوت کا پہلو ہے جس کی بدولت ہر خودی کی اپنی ایک یکتا حیثیت ہے۔''(۱۸)

عصر حاضر میں مسلمانوں نے قرآن اور اقبال کے فلسفہ وجودیت کو بھلا دیا ہے۔ آج کے انسان کی روح مردہ ہے۔ وہ اپنے ضمیر اور باطن سے محروم ہے۔ خود اس کا وجود اُس کی اپنی ذات سے متصادم ہے۔ درحقیقت وہ اپنی زندگی سے ہی اُکتا چکا ہے۔ اعلیٰ مراتب کے لیے اُس کی جدوجہد ختم ہو رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا احساسِ وجودیت ہمیں منفی قوتوں کی طرف لے جا رہا ہے۔ ہم بحیثیت مسلمان اپنی روحانی طاقت اور قوت کے مخفی سرچشموں سے منہ موڑ چکے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلام پر یقین کامل رکھیں کیونکہ قیامت تک کے لیے یہی مذہب ہے جو کامیابی کی معراج ہے۔

حوالہ جات:

(۱) سلیم اختر، ڈاکٹر، **مغرب میں نفسیاتی تنقید**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۱۴۷

(۲) ژاں پال سارتر، **وجودیت اور انسان دوستی**، مترجم: ظہور الحق شیخ، مشمولہ: **نئی تنقید**، مرتب: صدیق کلیم، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۷ء، ص ۳۲۸

(۳) ایضاً، ص ۳۵۳

(۴) محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، **تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات**، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۶ء

(۵) ریاض احمد، **ریاضتیں**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء، ص ۲۷۲

(۶) محمد اقبال، **کلیاتِ اقبال** (اُردو)، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۹۵ء، ۳۹۷

7. Muhammad Iqbal, ***Reconstruction of Religious Thought in Islam***, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2015, P. Preface

(۸) محمد اقبال، **کلیاتِ اقبال** (اُردو)، ص ۲۱۶

(۹) ایضاً، ص ۴۳۳

10. Muhammad Iqbal, ***Reconstruction of Religious Thought in Islam***, P.76

(۱۱) محمد اقبال، **تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ**، مترجم: سیّد نذیر نیازی، ص ۱۵۳

(۱۲) سورۃ طٰہٰ: ۱۲۲

(۱۳) سورۃ بقرہ: ۳۰

(۱۴) سورۃ الاحزاب: ۷۲

(۱۵) سمیع اللہ قریشی، پروفیسر، ”فلسفہ وجودیت اور اقبال“، مشمولہ: **اقبال ریویو**، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، جنوری ۱۹۷۷ء، ص: ۷۵۔۹۵

(۱۶) محمد اقبال، **کلیاتِ اقبال** (اُردو)، ص ۱۰۷

17. Muhammad Iqbal, ***Reconstruction of Religious Thought in Islam***, P.79

(۱۸) محمد اقبال، **تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ**، مترجم: سیّد نذیر نیازی، ص ۱۵۷۔۱۵۸